حاکم کے خلاف خروج : فقہی جائزہ

تحریر کا باعث اور امت مرحومہ کی صورت حال

عصرِ حاضر میں معاشرے میں بے دینی اور دین بے زاری کا ہر طرف غلبہ دیکھنے میں آتا ہے، معاصی و منکرات کا سیلِ رواں ہے جو انسانی معاشرے کو ہر طرف گھیرنے جارہا ہے، دینی فکر اور اسلامی شعور و حس رکھنے والے افراد کے لئے یہ چیزیں گو نہایت ہی درد و کرب کی باعث ہیں اوران کے آرام وراحت ختم ہونے اور بے چینی و پریشانی بڑھنے کے لئے یہ چیزیں کچھ کم نہیں ہیں، لیکن اس باب میں مزید درد و غم کی بات یہ ہے کہ علمی اور نظریاتی حدود بھی محفوظ نہیں ہیں اوران میں بھی ہر سو بے احتیاطی اور بے اعتدالی کے نت نئے نمونے ملتے ہیں۔ ایسے ہی مسائل میں سے ایک یہ زیر بحث مسئلہ بھی ہے کہ امام اور حکومت کے خلاف مسلح خروج جائز ہے یا نہیں؟۔ اس کو خروج بھی کہا جاتا ہے اور بغاوت بھی اس کا نام ہے، یہاں ان سطور میں یہ پہلی ہی اصطلاح استعمال ہو گی۔

خروج کی تعریف

علامہ موصلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وأهل البغي كل فئة لهم منعة يتغلبون ويجتمعون ويقاتلون أهل العدل بتأويل ويقولون " الحق معنا ويدعون الولاية، وإن تغلب قوم من اللصوص على مدينة فقتلوا وأخذوا المال وهم غير

متأولين أخذوا بأجمعهم وليسوا ببغاة، لأن المنعة إن وجدت فالتأويل لم يوجد.[١]

ترجمہ:"خوارج وہ جماعت ہے جو طاقت کے بل بوتے پر شہروں پر قبضہ جمالیتے ہیں اور کسی بے بنیاد تاویل کی وجہ سے اہل حق کے خلاف لڑ کر کہتے ہیں کہ: حق ہمارے ساتھ ہے اور حکومت کا دعوی بھی کرتے ہیں۔ اگر چوروں میں سے کوئی جماعت کسی شہر پر قبضہ کرے اور وہاں کے لوگوں کو قتل کریں اور ان سے مال چھین لیں اور تاویل بھی نہ کرتے ہو تو سب سے بدلہ لیاجائے گا اور وہ باغی شمار نہیں ہوں گے، کیونکہ غلبے کی شرط اگر چہ موجود ہے لیکن تاویل کی شرط موجود نہیں"۔ (حالانکہ بغاوت کے لیے دونوں شرطیں ضروری ہیں)

علامہ محقق ابن الہمام رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والبغي في اللغة: الطلب، بغيت كذا: أي طلبته، قال تعالى حكاية ذلك {ما كنا نبغ} ثم اشتهر في العرف في طلب ما لا يحل من الجور والظلم. والباغي في عرف الفقهاء: الخارج عن طاعة إمام الحق.[٢]

کیا۔ فقہاء کی اصطلاح میں باغی وہ شخص ہے جو شرعی حاکم کی اطاعت سے

---

[١] الاختیار لتعلیل المختار، فصل الخوارج والبغاۃ، ج۴ ص۱۵۱.

[٢] فتح القدیر للکمال ابن الھمام، باب البغاۃ، ج۶ ص۹۹.

نکلے۔ پھر عرف میں یہ لفظ ظلم اور جبر کے طور پر کسی چیز کو طلب کرنے کے لیے مشہور ہوا"۔

"مجمع الانہر" میں ہے:

(إذا خرج قوم مسلمون عن طاعة الإمام) أي الخليفة العدل لا عن أمير ظلم بهم فلو خرجوا عليه لظلم ظلمهم فليسوا ببغاة كما في أكثر الكتب .[1]

ترجمہ:"جب مسلمانوں میں سے کوئی جماعت عادل بادشاہ کی اطاعت سے نکلے، تو اکثر کتابوں میں یہ بات مذکور ہے کہ اگر انہوں نے بادشاہ کے ظلم کی وجہ سے بغاوت کی ہو تو یہ لوگ خوارج نہیں"۔

"تبیین الحقائق" کے حاشیہ میں ہے:

والبغي في اللغة الطلب بغيت كذا أي طلبته قال الله تعالىٰ حكاية {ذلك ما كنا نبغ} ثم اشتهر في العرف في طلب ما لا يحل من الجور والظلم والباغي في عرف الفقهاء الخارج علىٰ الإمام الحق. اهـ. كمال – رحمه الله. ..قال في فصل الأسروشني لا بد من معرفة أهل البغي فأهل البغي هم الخارجون علىٰ الإمام الحق بغير حق بيانه أن المسلمين إذا اجتمعوا علىٰ إمام وصاروا آمنين به فخرج عليه طائفة من المؤمنين فإن فعلوا ذلك لظلم ظلمهم فهم

---

[1] مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، باب البغاة ج ١ ص ٦٩٩.

ليسوا من أهل البغي ...وإن لم يكن ذلك لظلم ظلمهم ولكن لدعوىٰ الحق والولاية فقالوا الحق معنا فهم أهل البغي.[1]

ترجمہ:"لفظ "بغی" لغت میں طلب کو کہتے ہے۔ جیسے "بغیت کذا "یعنی میں نے طلب کیا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی حکایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:ذلك ما كنا نبغ "یعنی یہی وہ چیز تھی جو ہم چاہتے تھے" پھر یہ لفظ عرف عام میں ظلم اور جبر کے معنی میں مشہور ہوا۔ فقہاء کرام کے نزدیک باغی وہ شخص ہے جو برحق امام کے خلاف ناحق بغاوت کرے، مصنفؒ (مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں) کہ اگر مسلمان کسی امام پر متحد اور متفق ہو جائیں اس کے بعد مسلمانوں میں سے کوئی جماعت اٹھ کر مسلمان حاکم پر خروج کرے تو اگر انہوں نے حاکم کے خلاف ظلم اور جبر کی وجہ سے خروج کیا ہو تو یہ جماعت خوارج نہیں (بلکہ صحیح مسلمان ہیں) اور اگر انہوں نے ظلم کی وجہ سے بغاوت نہ کیا ہو بلکہ وہ حکومت اور حقانیت کا دعوی کریں اور یہ بات کہے کہ حق ہمارے پاس ہے تو یہ لوگ خوارج ہیں"۔

خروج کا حکم

عام طور پر سمجھا یہ جاتا ہے کہ امام کے خلاف خروج بہر حال ناجائز اور گناہ ہے، لیکن حقیقت حال اس کے برخلاف ہے ۔جن فقہی کتابوں میں اس طرح لکھا گیا ہے وہاں خروج کا ایک خاص مفہوم پہلے سے متعین ہوتا ہے اور اس خاص مفہوم کے خروج کا یہ حکم لکھا جاتا ہے، لیکن ہمارے ہاں جس طرح دیگر اصطلاحات کے استعمال میں ضروری احتیاط نہیں برتا جاتا یوں ہی اس اصطلاح کے ساتھ بھی

---

[1] حاشية الشلبي، باب البغاة، ج٣ص٢٩٣.

ایسا ہی برتاؤ کیا جاتا ہے چنانچہ فقہائے کرام نے ایک خاص مفہوم کے خروج کو لفظِ "خروج" اور "بغاوت" کا مصداق مقرر کیا اور پھر اسی تناظر میں خروج اور بغاوت کو ناجائز قرار دیا۔ چنانچہ خروج کی تعریف کے ضمن میں جو فقہی عبارات درج کی گئیں ہیں، وہاں اس کی صراحت ہے۔ لیکن بہت سی مرتبہ یہ دونوں الفاظ لغوی معانی میں لئے جاتے ہیں اور امام کے خلاف ہر قسم کے نکلنے کے لیے ان کا استعمال کیا جاتا ہے اور اس کا حکم متعین کرنے کے لئے حضرات فقہائے کرام کی عبارات ذکر کی جاتی ہیں۔ یہ ایک اصولی غلطی ہے جس کی اگر تلافی نہ کی جائے تو بہت مضر نتائج جنم لے سکتے ہیں۔

اسی تناظر میں یہاں خروج سے امام کے خلاف مسلح نکلنا مراد لیا گیا ہے اور اسی مفہوم کا حکم ذکر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس مفہوم کے تناظر میں خروج کی متعدد صورتیں بن سکتی ہیں جن میں سے بعض جائز اور بعض ناجائز ہیں۔

ناجائز خروج کی صورت

اگر کسی خروج میں درج ذیل شرائط پائی جائے تو وہ ناجائز، ممنوع اور گناہ ہے، شرائط یہ ہیں:

۱: برحق امام کی حکومت قائم ہو۔

۲: خروج کی بنیاد کوئی ناجائز مطالبہ یا فاسد تاویل ہو۔

جائز صورت

اگر امام کی حکومت برحق نہ ہو، مثال کے طور پر امام ایسا ہو جس کو مسلمانوں کے اوپر امامت کرنے کی اہلیت موجود نہ ہو، یا مسلمانوں کے اہل حل وعقد نے اس

کی تقرری نہ کی ہو۔ یا حکومت کی اہلیت تو موجود ہے لیکن جو لوگ خروج کر رہے ہیں، ان کا مطالبہ شرعا جائز یا ضروری ہو اور اس میں کسی فاسد تاویل کا بھی دخل و کردار نہ ہو، تو ایسی صورت میں یہ ناجائز خروج میں شامل نہیں ہو گا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا ایسی صورت میں خروج مطلقا جائز ہو گا یا کیا حکم ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی صورت حال میں متوقع مفاسد اور ممکنہ مصالح کے درمیان موازنہ کرنا ضروری ہے۔ ایسا خروج تو کسی فساد کو مٹانے اور منکرات ختم کرنے کے لئے کیا جاتا ہے اور خروج چونکہ ایک مسلح تصادم کا نام ہے اس لئے اس میں قتل وغارت گری وغیرہ مختلف نقصانات تقریبا یقینی ہوتے ہیں، تو اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جن شرعی برائیوں کو ختم کرنے کے لئے ایسا مسلح تصادم کیا جاتا ہے، ان برائیوں کو دیکھا جائے اور ساتھ ان نقصانات و معاصی کا بھی جائزہ لیا جائے گا جو اس خروج کے نتیجے میں پیدا ہو سکتے ہیں، ان دونوں قسم کے نقصانات اور منکرات میں اگر پہلی قسم کے نقصانات غالب ہوں تو پھر خروج کی شرعاً اجازت ہے اور اگر دوسری قسم کے نقصانات کو غلبہ حاصل رہا تو پھر اس کی اجازت نہیں ہے۔

متوقع مصالح و مفاسد کا موازنہ کون کرے؟

یہ جائزہ کون لے گا؟ اس کا سیدھا سادہ جواب یہی ہے کہ جس میں اس کی اہلیت وصلاحیت موجود ہو وہی یہ کام کرے گا۔ اور اس بات کی اہلیت کے لئے ضروری ہے کہ نیک وصالح، عقل مند و تجربہ کار، اپنے زمانے وماحول کے تقاضوں سے اچھی طرح واقف کار اور سنجیدہ ذہن کے ایسے افراد ہوں جن پر کوئی ایک پہلو اس حد تک غالب نہ ہو کہ دوسرے پہلو کے نتائج کو اچھی طرح دیکھ ہی نہ سکے۔

اگر نیکی وصلاح نہ ہو تو ان کی بات اور ان کے فیصلے پر اعتماد کرنا مشکل ہے، اگر عقل مندی اور تجربہ کاری نہ ہو اور گرد وپیش ماحول کے تقاضوں سے اچھی طرح واقفیت حاصل نہ ہو تو بھی یہ بھروسہ نہیں کیاجاسکتا کہ وہ حالات کے مطابق کوئی درست فیصلہ کرپائیں گے۔ اگر سنجیدہ ذہن کے بجائے جذباتی ذہن یا عصبیت مزاج والے لوگ ہوں تو بھی یہ باور نہیں ہو سکتا کہ وہ مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر کما حقہ غور وفکر کرکے کوئی مناسب فیصلہ کر سکیں گے، یوں ہی اگر ذہن پر پہلے سے کوئی ایک پہلو غالب ہو تو اسی پہلو کی باتیں اس پر غالب ہو گی اور دوسرے پہلو پر ٹھنڈے دل سے غور نہیں کرپائے گا۔ غرض خروج جیسے گھمبیر اور دوررس قسم کے مسائل میں اچھی طرح غور وفکر کرنا ضروری ہے اور یہ غور وفکر کی ذمہ داری ایسے افراد کے کندھوں عائد ہوتی ہے جن میں اس طرح حساس مسائل کے تمام دینی ، تاریخی اور دنیوی پہلوؤں اور ہمہ جہت تقاضوں کو پرکھنے اور اس میں بالکل درست موازنہ کرنے کی لیاقت ہو۔

امام صاحب کا موقف اور طرزِ عمل

ظالم اور فاسق حاکم کے خلاف خروج جائز ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے موقف کا حاصل یہی تھا کہ خروج امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ایک صورت اور اسی کی ایک شاخ ہے، لیکن چونکہ اس میں خطرات زیادہ ہیں اور بہت سے نقصانات متوقع ہیں، اس لئے اس کی ہر حال میں اجازت دینا ممکن نہیں ہے، تاہم اگر یقین یا ظن غالب ہو کہ خروج کی صورت میں دینی ضروری مقصود بھی حاصل ہو گا اور اس کے نتیجہ میں جو نقصانات ومنکرات متوقع ہوں وہ

ان مفاسد اور معاصی سے کم ہوں جو خروج نہ کرنے کی صورت میں متوقع ہیں تو ایسی صورت میں خروج جائز بلکہ بعض اوقات ضروری بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اسی لئے امام صاحب رحمہ اللہ نے اپنے زمانے میں ان افراد کی خفیہ مدد کی تھی جنہوں نے ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج کیا تھا، تاہم چونکہ امام صاحب کے خیال میں ان حضرات کی جدوجہد کے کامیاب ہونے کا امکان کم تھا، اس لئے خود براہ راست ان تحریکات میں حصہ نہیں لیا، چنانچہ وہی ہوا جو ان کا خیال تھا اور وہ تحریکیں نتیجہ خیز ثابت ہوئے بغیر ختم ہو گئیں۔ امام صاحب رحمہ اللہ کے اکثر سوانح نگار حضرات نے ان واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے، امام جصاص رازی رحمہ اللہ نے بھی سورۃ بقرۃ آیت نمبر (۱۲۴) کی تفسیر میں اس کی ضروری بحث فرمائی ہے جس کی طرف مراجعت کرنا مفید ہے۔[1]

امام صاحب رحمہ اللہ کا یہ موقف شذوذ پر مبنی نہیں تھا بلکہ دلیل کے لحاظ سے بھی یہ بڑی معقول متوازن بات ہے اور سلف وخلف کے اہل علم کی کثیر تعداد بھی اسی موقف پر کاربند رہے ہیں۔ بنو امیہ وغیرہ کے خلاف خروج کے جو واقعات مختلف زمانوں میں پیش آتے رہے اور اس میں جن اہل علم حصہ لیتے رہے ہیں، اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک طویل فہرست تیار ہو سکتی ہے۔ نمونہ کے طور پر صرف اس خروج کو دیکھنا کافی ہے جو عبد الرحمن بن اشعث رحمہ اللہ کی نگرانی میں

---

[1] ملاحظہ فرمائیں: احکام القرآن، سورۃ بقرہ، ج ۱ ص ۸۶۔

حجاج بن یوسف اور عبد الملک بن مروان کے خلاف واقع ہوا تھا، علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

ووافقه على خلعهما جميع من بالبصرة من الفقهاء والقراء والشيوخ والشباب، ثم أمر ابن الأشعث بخندق حول البصرة فعمل ذلك، وكان ذلك في أواخر ذي الحجة من هذه السنة.[1]

ترجمہ: حجاج بن یوسف اور عبدالملک بن مروان کے خلاف بصرہ کے تمام فقہاء، قراء، بوڑھوں اور جوانوں نے ابن الاشعث کے ساتھ خروج پر اتفاق کیا اور اس نے بصرہ کے ارد گرد خندق کھودنے کا حکم بھی فرمایا جس پر انہوں نے (یعنی بصرہ والوں نے) عمل کیا اور یہ واقعہ اسی سال ذوالحجہ کے اواخر میں رونما ہوا تھا"۔

خروج سے متعلق شرعی احکام

خروج کے عمل کا تعلق تین قسم کے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے:

الف: وہ افراد جو خروج کر رہے ہیں۔

ب: حکومت جس کے خلاف خروج کا عمل کیا جارہا ہے۔

۳: عام افراد جو اسی حکومت کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں۔ تینوں کی طرف متعدد احکام متوجہ ہوتے ہیں۔

---

[1] البدایۃ والنھایۃ ط ھجر، فتنۃ ابن الأشعث، ج ۱۲ ص ۳۱۰.

خروج کرنے والوں سے متعلق احکام

۱: اگر خروج کے جائز ہونے کی شرائط مکمل نہیں ہیں تو ضروری ہے کہ خروج سے باز رہے، کیونکہ ایسے موقع پر خروج نہ صرف گناہ بلکہ ان گنت گناہوں اور غیر معمولی جانی ومالی وغیرہ نقصانات کا باعث بن سکتا ہے۔

۲: اگر خروج کی ایسی صورت ہو جو شرعی لحاظ سے جائز ہو تو بھی ضروری ہے کہ مسلح تصادم پر اقدام کرنے سے پہلے پُرامن ذرائع کو استعمال کیا جائے اور اس کے ذریعے سے اصلاح احوال کی بھرکوشش کی جائے۔ اگر تمام تر وسائل کو بروئے کار لانے کے بعد بھی یقین ہو کہ مسلح اقدام کے بغیر اصلاح احوال نہیں ہو سکتی، تو دوسری بات ہے۔

۳: اقدام کرنا اگر جائز ہو تو اس کے بعد بھی خوب احتیاط سے کام لیا جائے ، یوں تو خالص کفار کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے شریعت نے ایک ضابطہ مقرر فرمایا ہے جس کی پابندی ضروری ہے اور خود حضور نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کو جہاد ومغازی پر بھیجتے وقت اس کی تاکید فرماتے تھے لیکن جہاں کسی اسلامی آبادی والے ملک کے ساتھ جنگ یا خروج کی نوبت آئے وہاں غیر معمولی احتیاط کی ضرورت ہے۔

۴: اس احتیاط کا تعلق جس طرح اسلحہ کے استعمال اور زور وطاقت کے صرف کرنے سے ہے یوں ہی زبان وبیان اور دیگر امور کے ساتھ بھی ہے، لہٰذا بلا وجہ کسی کو کافر کہنے یا مرتد قرار دینے میں بھی احتیاط واعتدال کا دامن مضبوطی سے تھام رکھنا ضروری ہے۔

حکومت اور حاکم سے متعلق احکام

۱: رعایا کو اس بات پر بالکل آمادہ نہ کرے کہ وہ خروج کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ اس کے لئے ظلم وتعدی وغیرہ ہر اس خرابی سے بچنے کا اہتمام کرنا ضروری ہے جس کی وجہ سے شریعت خروج کی اجازت دیتی ہے یا لوگ یوں ہی خروج کرنے کی راہ چلنے پر اپنے آپ کو مجبور سمجھنا شروع کرتے ہیں۔

۲: اگر کوئی فرد یا گروہ کوئی مطالبہ سامنے رکھتا ہے تو اس کو انصاف ودیانت داری کے ساتھ سننا اور اس پر غور وفکر کرنا ضروری ہے۔ اگر مطالبہ برحق ہو تو اپنی استطاعت کی حد تک اس کو پورا کر دینا بھی ضروری ہے، خاص کر جب کوئی منظم گروہ کی طرف سے مطالبہ سامنے آتا ہے اور نہ ماننے کی صورت میں خروج کے اثرات دکھائی دیتے ہوں وہاں خوب سنجیدگی کے ساتھ ان کے مطالبہ کو سننا اور جائز مطالبہ ہو تو اس کو پورا کرنے کا اہتمام کرنا لازم ہے۔

۳: اگر عملی طور پر حکومت کے خلاف خروج کا خطرہ محسوس ہو، تو مسلح تصادم سے پہلے تمام ممکنہ پُرامن راستوں کو اختیار کر لینا چاہئے اور بھرپور کوشش کر لینی چاہئے کہ مذاکرات وغیرہ کے ذریعے سے قضیہ حل ہو جائے اور خروج کی عملی طور پر ضرورت ہی باقی نہ رہے، کیونکہ مسلح تصادم میں مسلمانوں کا نقصان یقینی ہے جس سے بچاؤ کی ممکنہ حد تک تدبیر کرنا حکومت کی بنیادی ذمہ داریوں میں داخل ہے۔

۴: عملی طور پر خروج ہو جانے کے بعد بھی ہر قدم پر احتیاط و دیانت داری سے کام لینا ضروری ہے ،چاہے وہ اقدام کا مرحلہ ہو یا قول قرار کا، لہٰذا بلا وجہ خونریزی سے بچنے بچانے کا اہتمام ضروری ہے۔

عام مسلمانوں سے متعلق احکام

۱: مسلمانوں کے کسی دو گروہوں کے درمیان جنگ و جھگڑا جاری ہو تو دیگر مسلمانوں کو یہ بات کسی طرح زیب نہیں دیتی کہ وہ بے فکر ہو کر اپنے کام میں مصروف رہیں بلکہ جہاں تک ہو سکے اس جنگ کو ختم کرنا اور مسلمانوں کے درمیان صلح وصفائی کا راستہ ہموار کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا اوّلاً تو سنجیدہ اور بھرپور کوشش ہونی چاہئے کہ فریقین کے درمیان جنگ و خروج کی نوبت ہی نہ آئے۔ اس کے لئے اول خروج کرنے والے کے مطالبہ کو پرکھ لینا چاہئے، اگر وہ کوئی ناجائز مطالبہ ہو تو انہی کو حکمت و نرمی کے ساتھ سمجھنا دیا جائے تاکہ وہ کسی طرح اس سے باز آئیں اور اگر ان کا مطالبہ برحق ہو تو حکومت کے موقف کو دیکھنا چاہئے: اگر وہ اس میں بے بنیاد ٹال مٹول سے کام لے رہی ہے تو اسی کو مجبور کر دینا چاہئے کہ وہ مطالبہ کو پورا کرے۔

۲: اگر عام افراد کی تمام تر کوششیں بے سود ثابت ہو جائیں تو بھی بے کار ہو کر بیٹھنا اور جنگ کی خاموش تماشائی بننا درست نہیں ہے بلکہ جو فریق ظلم و زیادتی پر ہو، اس پر کسی طرح دباؤ ڈال کر جنگ بند کرانے اور باہم صلح کرانے کی کوشش کر لینی چاہئے، اگر اس سے کام چل جاتا ہے تو بہت اچھا۔

۳: اگر ایسی بھی کوئی صورت نہ بن سکے یا آزمانے کے باوجود بار آور ثابت نہ ہو تو اس کے بعد آخری مرحلہ یہ ہے کہ اگر خروج کرنے والے ناحق پر ہو تو ان

کے خلاف حکومت کے ساتھ تعاون کیا جائے تا کہ ان کا زور ٹوٹے اور باہمی صلح کی صورت پیدا ہو جائے اور اگر حکومت کا موقف غلط ہو اور وہ زیادتی کا مرتکب ہو تو اس صورت میں حکومت کا ساتھ دینا تو جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اس حد تک ظالم ہے اور ظالم کی مدد کرنا ناجائز ہے، البتہ کیا خروج کرنے والے افراد کی مدد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں فقہائے کرام نے عام طور پر یہ تحریر فرمایا ہے کہ ان کی مدد بھی نہ کی جائے کیونکہ ایسا کرنے کے نتیجہ میں حکومت وریاست کا نقصان ہو گا جس کا خمیازہ پوری امت کو بھگتنا پڑے گا۔

علامہ شامی رحمہ اللہ "جامع الفصولین" سے نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

بيانه أن المسلمين إذا اجتمعوا على إمام وصاروا آمنين به فخرج عليه طائفة من المؤمنين، فإن فعلوا ذلك لظلم ظلمهم به فهم ليسوا من أهل البغي، وعليه أن يترك الظلم وينصفهم. ولا ينبغي للناس أن يعينوا الإمام، عليهم؛ لأن فيه إعانة على الظلم، ولا أن يعينوا تلك الطائفة على الإمام أيضا؛ لأن فيه إعانة على خروجهم على الإمام.[1]

---

[1] حاشية ابن عابدين على الدر المختار، باب البغاة، ج٤ص٢٦١. وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، باب البغاة، ج٣ص٢٩٣.

ترجمہ: جب مسلمان کسی حاکم پر متحد اور متفق ہو جائیں پھر اگر مسلمانوں میں سے کوئی جماعت اسی حاکم پر اسکے ظلم اور جبر کی وجہ سے خروج کریں تو مسلمانوں کے لیے ان کے خلاف بادشاہ کی حمایت جائز نہیں کیونکہ یہ ظلم کی اعانت ہے (اور ظلم کی اعانت جائز نہیں) اور نہ اس جماعت کی امداد جائز ہے (جس نے بادشاہ پر خروج کیا ہے) کیونکہ اس صورت میں حاکم کے خلاف خروج کو قوی کرنا ہے۔ (جو کہ جائز نہیں)

لیکن اس کی جو صورت فقہائے کرام نے لکھی ہے وہ یہ ہے کہ حاکم کسی گروہ پر ظلم کرے اور اس ظلم کے خلاف وہ لوگ خروج کریں جیسا کہ "شامی" کی درج بالا عبارت میں ہے۔ "ظلم" کا لفظ اگرچہ ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے اور اس میں تمام گناہوں کو شامل کیا جاسکتا ہے لیکن یہاں سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ظلم صرف چند افراد کے ساتھ مخصوص ہو اور اس صورت میں یہ حکم بھی معقول ہے کہ ایک غلطی کی وجہ سے پورے ریاستی ڈھانچہ کو نقصان پہنچانا یقیناً گھاٹے کا سودا ہے جس میں امت کا نقصان ہی زیادہ اور نمایاں ہے۔ لیکن اگر ظلم کی صورت ایسی ہو جو کسی خاص افراد یا چند افراد کے ساتھ خاص نہ ہو بلکہ پوری امت کے ساتھ اس کا تعلق ہو، مثال کے طور پر شرعی قوانین کا نفاذ نہ کرنا، اور شرعی قوانین کے مقابلے میں دیگر قوانین کو فیصلہ کن حیثیت دینا، تو اس صورت میں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں درج بالا حکم جاری نہ ہوگا بلکہ مصالح ومفاسد کا موازنہ کرکے کسی ایک پہلو کو اختیار کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

عام افراد سے متعلق یہ احکام درج ذیل آیت کریمہ سے مستفاد ہوتی ہیں:

{ وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ }.[1]

ترجمہ:"اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو پس اگر ایک ان میں دوسرے پر ظلم کرے تو اس سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے ز پھر اگر وہ رجوع کرے تو ان دونوں میں انصاف سے صلح کرادو اور انصاف کرو بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"۔

کیا فقہاء بہر حال خروج کو حرام کہتے ہیں؟

گزشتہ سطور میں خروج سے متعلق جو تفصیلات ذکر کی گئیں ہیں وہ فقہائے حنفیہ کی رائے کے مطابق ہیں۔اس حوالہ سے ایک عام تصور یہ ہے کہ فقہاء کرام کے نزدیک ظالم اور جابر حکمرانوں کے خلاف خروج کرنا مطلقا ناجائز اور حرام ہے جس کی کسی صورت گنجائش نہیں ہے جب تک حکام کفر بواح کا ارتکاب نہ کریں۔اس کے متعلق متعدد فقہی کتب کی عبارات بھی پیش کی جاتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ خروج ہو یا بغاوت،اگر اس کو لغوی مفہوم میں لیا جائے تو شریعت کی نظر میں یہ مطلقا حرام یا مذموم نہیں ہیں بلکہ اس میں وہی تفصیل مناسب ہے جو اسی مضمون کے شروع میں "خروج کے حکم" کے تحت ذکر کر دی گئی

---

[1] [الحجرات:رقم الایۃ:۹].

ہے۔ تاہم وہاں یہ بات اہتمام کے ساتھ ذکر کی گئی ہے کہ خروج جائز ہونے کے لئے ایک ضروری شرط یہ ہے کہ اس اقدام کے کرنے اور نہ کرنے میں متوقع مفاسد ونقصانات کا سنجیدگی کے ساتھ اچھی طرح موازنہ کیاجائے اور اس کے بعد دیانت داری اور بالغ نظری کے ساتھ یہ فیصلہ کیاجائے کہ اس وقت خروج کرنا شرعی مصالح کے قریب تر ہے یا خروج کئے بغیر یوں ہی اصلاح احوال کی کوشش کرنا۔ اسی مرحلہ میں اہل علم اور ارباب فکر و نظر کی آراء مختلف ہوجاتی ہیں اور تاریخ میں خروج کی جو کوششیں مختلف ادوار میں ہوئی ہیں، ان پر نظر رکھنے سے واضح ہوجاتاہے کہ اس طرح کی کوششوں میں عام طور پر نقصان زیادہ ہوتاہے اور مقصود اصلی ہاتھ نہیں آتا، اسی وجہ سے عام اہل علم بڑی شدت کے ساتھ اس کی ممانعت ذکر کرنے کا اہتمام فرماتے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

فإن الله تعالىٰ بعث رسوله – صلىٰ الله عليه وسلم – بتحصيل المصالح وتكميلها، وتعطيل المفاسد وتقليلها. فإذا تولىٰ خليفة من الخلفاء، كيزيد وعبد الملك والمنصور وغيرهم،فإما أن يقال: يجب منعه من الولاية وقتاله حتىٰ يولىٰ غيره كما يفعله من يرىٰ السيف، فهذا رأي فاسد، فإن مفسدة هذا أعظم من مصلحته. وقل من خرج علىٰ إمام ذي سلطان إلا كان ما تولد علىٰ فعله من الشر أعظم مما تولد من الخير. كالذين خرجوا علىٰ يزيد بالمدينة،

وكابن الأشعث الذي خرج على عبد الملك بالعراق، وكابن المهلب الذي خرج على ابنه بخراسان، وكأبي مسلم صاحب الدعوة الذي خرج عليهم بخراسان أيضا، وكالذين خرجوا على المنصور بالمدينة والبصرة، وأمثال هؤلاء.وغاية هؤلاء إما أن يغلبوا وإما أن يغلبوا، ثم يزول ملكهم فلا يكون لهم عاقبة.[1]

ترجمہ:"بے شک اللہ تعالی نے تکمیل مصالح اور تعطیل مفاسد کے لیے رسول اللہ ﷺ کو بھیجا۔ پھر جب خلافت یزید، عبد المالک، اور منصور جیسے خلفاء کو مل جائے تو یا تو یہ کہا جائے گا کہ ان کو حکومت سے باز رکھنا اور ان کے خلاف جنگ کرنا اس وقت تک واجب ہے جب تک کسی دوسرے کو ولایت نہ سونپی جائے جو ان جیسے حکمرانوں کے خلاف جنگ جائز سمجھتے ہیں وہ لوگ ایسا ہی کرتے ہیں، حالانکہ یہ خیال غلط ہے ۔ کیونکہ اس میں فائدہ کے بجائے نقصان بہت زیادہ ہے اور جب بھی کسی نے حاکم کے خلاف خروج کیا ہے تو اس سے خیر کے بجائے بہت زیادہ شر بر آمد ہوا ہے جیسا کہ یزید کے خلاف اہل مدینہ والوں کا یا ابن الاشعث کی طرح جس نے عراق میں عبد الملک

مسلم کی طرح جس نے بھی خراسان میں یا ان لوگوں کی طرح جس نے مدینہ میں منصور کے خلاف خروج کیا ان کا انجام کیا ہو گا۔ یا مغلوب ہوں گے اور یا وقتی طور پر غالب ہو کر انجام کار حکومت ہاتھ سے جائے گا اور کوئی نتیجہ نہ نکلے گا"۔

---

[1] منہاج السنۃ النبویۃ، کلام الرافضی علی یوم مقتل الحسین رضی اللہ عنہ والرد علیہ، ج۴ ص ۵۲۷.

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی یہ بات بالکل درست اور تاریخی واقعات کے تناظر میں واقع کے بالکل مطابق ہے، اسی بنیاد پر خروج اور بغاوت کی مطلقا مذمت کی جاتی ہے جس سے بعض اوقات یہ سمجھا جاتا ہے کہ خروج بالکل بھی جائز نہیں ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے اور اس کے حکم میں وہی تفصیل ہے جو اسی مضمون کی ابتداء میں ذکر کر دی گئی ہے۔ امام باقلانی رحمہ اللہ سوال وجواب کی شکل میں تحریر فرماتے ہیں:

إن قال قائل ما الذي يوجب خلع الإمام عندكم؟ قيل له يوجب ذلك أمور منها كفر بعد الإيمان ومنها تركه إقامة الصلاة والدعاء إلى ذلك ومنها عند كثير من الناس فسقه وظلمه بغصب الأموال وضرب الأبشار وتناول النفوس المحرمة وتضييع الحقوق وتعطيل الحدود. وقال الجمهور من أهل الإثبات وأصحاب الحديث لا ينخلع بهذه الأمور ولا يجب الخروج عليه بل يجب وعظه وتخويفه وترك طاعته في شيء مما يدعو إليه من معاصي الله.[1]

ترجمہ: " وہ کون سے امور ہیں جن کی وجہ سے آپ لوگوں کے ہاں امام معزول ہو جاتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ: متعدد امور کی وجہ سے امام معزول ہو جاتا ہے: ان میں سے کفر اختیار کرنا، نماز چھوڑنا یا اس کی طرف دعوت دینا وغیرہ۔ بہت سے لوگوں کے

---

[1] تمهيد الأوائل باب ذكر ما يوجب خلع الإمام وسقوط فرض طاعته،ص: ٤٧٨

نزدیک حاکم کے فسق کی وجہ سے ، لوگوں کے مالوں کو غصب کرکے ظلم کرنے، لوگوں کو مارنے، ان کے حقوق ضائع کرنے یا حدود کو معطل کرنے کی وجہ سے بھی امام معزول ہو جاتا ہے۔ حنابلہ اور محدثین کے نزدیک ان امور کی وجہ سے امام معزول نہیں ہوتا، بلکہ زجر اور نصیحت کے ساتھ ساتھ ان امور کی مخالفت کرنا واجب ہے جو گناہ اور ناجائز ہیں"۔

یہاں صرف کفر بواح کی وجہ سے خروج کی اجازت نہیں دی بلکہ اس کے ساتھ اقامت صلاۃ کا اہتمام ترک کرنے کو بھی ذکر کیا گیا ہے اور اس میں حصر کا دعویٰ نہیں کیا گیا بلکہ ان دونوں چیزوں کو بطور مثال ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس کے بعد ظلم، غصب وغیرہ امور کی وجہ سے خروج کے واجب ہونے کی نفی فرمائی اور اس کی جگہ نصیحت وغیرہ پُرامن ذرائع کے اختیار کرنے کو ضروری قرار دیا۔

یاد رہے کہ یہ تحریر کسی فرد یا گروہ کی تائید یا تردید کے لئے نہیں لکھی گئی اور نہ ہی ایسی کوئی چیز پیش نظر ہے بلکہ خالص فقہی نقطہ سے اس مسئلہ تفصیل ذکر کرنا مقصود تھا تاکہ کم از کم نظریاتی حد تک تو مسئلہ کی اپنی حیثیت برقرار رہے۔ اللہ تعالیٰ استقامت کے ساتھ دین متین کی صحیح فہم اور مقبول خدمت کی توفیق سعید نصیب فرمائیں۔